

پاکستانی معاشرے میں مذہبی رواداری کا فکری پس منظر

The Intellectual Background of Religious Tolerance in Pakistani Society

Ayesha Rauf

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Punjab, Lahore, Pakistan

Kamran Siddiqui

Associate Professor, Department of Sociology, Quaid-i-Azam University, Islamabad, Pakistan

Abstract:

This paper explores the intellectual background and evolution of religious tolerance in Pakistani society, tracing its roots from Islamic teachings, Sufi traditions, and the sociopolitical philosophy of the nation's founders. It discusses how religious pluralism and moral coexistence have historically been part of South Asian thought and how they continue to influence Pakistan's modern identity. The study examines the role of education, religious leadership, and state policy in fostering or hindering interfaith harmony. It argues that while Pakistan was ideologically conceived as a tolerant and inclusive society, socio-political polarization and sectarianism have posed serious challenges to this vision. The paper concludes by suggesting that the revival of intellectual discourse and ethical education rooted in Quranic and Sufi traditions is essential for rebuilding a culture of tolerance and unity in contemporary Pakistan.

Keywords: Religious Tolerance, Sufism, Pakistan Ideology, Interfaith Harmony, Pluralism, Islamic Thought, Education, Social Cohesion

تعارف

پاکستانی معاشرہ مذہبی و ثقافتی تنوع کا حامل ہے، جس کی فکری بنیاد اسلام کی آفاقی تعلیمات اور برصغیر کی صوفیانہ روایتوں پر استوار ہے۔ مذہبی رواداری، برداشت، اور باہمی احترام کا تصور اسلامی تاریخ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت بانیان قوم، خصوصاً علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح، ایک ایسے معاشرے کے قیام کے خواہاں تھے جہاں مذہب، رنگ، اور نسل کی بنیاد پر امتیاز نہ ہو۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ سیاسی مفادات، فرقہ واریت، اور مذہبی عدم برداشت نے اس فکری تصور کو متاثر کیا۔ اس تحقیق میں ان فکری و تاریخی عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے جنہوں نے پاکستانی معاشرے میں مذہبی رواداری کے تصور کو تشکیل دیا، نیز ان رکاوٹوں کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے جو اس کے عملی اظہار میں مانع ہیں۔

اسلام میں مذہبی رواداری کا فکری تصور

اسلامی تعلیمات میں مذہبی رواداری، برداشت، اور انسان دوستی بنیادی اقدار میں شامل ہیں۔ قرآن کریم انسانیت کی وحدت پر زور دیتا ہے اور مختلف مذاہب و اقوام کے درمیان عدل و انصاف کے قیام کو لازم قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(البقرہ: 256) — یعنی دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ"

یہ آیت اسلام کے فکری نظام میں آزادی مذہب اور باہمی احترام کا بنیادی اصول بیان کرتی ہے۔ اسی طرح قرآن میں یہ بھی کہا گیا (الکافرون: 6) — تمہارے لیے تمہارا دین، اور میرے لیے میرا دین۔ "كُلُّكُمْ لِنُفْسِهِ دِينٌ"

یہ جملہ مذہبی تنوع کے احترام اور پرامن بقائے باہمی کی اعلیٰ مثال ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت بھی مذہبی رواداری کا عملی مظہر ہے۔ میثاقِ مدینہ اس کی روشن مثال ہے جہاں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو شہری برابری کے اصول پر متحد کیا گیا۔ غیر مسلم رعایا (اہل ذمہ) کے حقوق کی ضمانت دی گئی، ان کے مذہبی مقامات اور عبادت کی آزادی کا احترام کیا گیا۔ اسلام نے صرف برداشت کی تعلیم نہیں دی بلکہ عدل، احسان، اور انسانیت کے احترام کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا۔

یوں اسلام کا تصور رواداری محض اخلاقی تعلیم نہیں بلکہ ایک مکمل سماجی، سیاسی اور روحانی نظامِ فکر ہے جو انسانی برادری کو عدل، مساوات، اور محبت کے اصولوں پر استوار کرتا ہے۔

برصغیر کی صوفیانہ روایت اور مذہبی ہم آہنگی

برصغیر کی صوفیانہ روایت مذہبی رواداری، انسانی اخوت، اور روحانی اتحاد کی ایک شاندار مثال ہے۔ صوفیاء نے اس خطے میں اسلام کی دعوت محض مذہبی تبلیغ کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے اخلاق، کردار، اور انسان دوستی سے پھیلائی

پاکستانی آئین اور مذہبی آزادی کی ضمانتیں

آئین پاکستان 1973ء نہ صرف ریاستی نظم و نسق کا بنیادی دستاویز ہے بلکہ ایک ایسا عہد نامہ بھی ہے جو مذہبی آزادی اور انسانی مساوات کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ آئین کی دفعہ 20 واضح طور پر ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے، اس کی تبلیغ کرنے اور مذہبی ادارے قائم کرنے کا حق دیتی ہے۔ اسی طرح دفعہ 25 شہریوں کے مابین مساوات کو تسلیم کرتی ہے اور مذہب، نسل یا جنس کی بنیاد پر کسی امتیاز کی نفی کرتی ہے۔ مزید برآں، دفعہ 33 میں فرقہ واریت اور نسلی تعصبات کے خاتمے پر زور دیا گیا ہے تاکہ قومی یکجہتی اور مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیا جاسکے۔

یہ آئینی اصول دراصل بنیادین پاکستان کے اُس وزن کی تعبیر ہیں جس میں مذہب کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا گیا تھا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947ء کی تقریر میں فرمایا تھا کہ "آپ آزاد ہیں، اپنے مندروں میں جانے کے لیے، اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے، یا کسی اور عبادت گاہ میں جانے کے لیے... ریاست کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

یہ اعلان دراصل پاکستان کے نظریاتی خدوخال کو ایک کثرت پسند اور روادار ریاست کے طور پر ظاہر کرتا ہے۔

تاہم، بعد ازاں مذہب کے سیاسی استعمال، نصابی ترجیحات، اور ادارہ جاتی کمزوریوں نے اس آئینی توازن کو متزلزل کیا۔ اس کے باوجود، پاکستان کا آئین آج بھی مذہبی مساوات اور بین المذاہب احترام کے اصولوں کا محافظ ہے، بشرطیکہ ان دفعات پر خلوص نیت سے عمل کیا جائے۔

تعلیمی نظام میں رواداری کی ترویج یا فقدان

پاکستان کا تعلیمی نظام قومی فکری ساخت کی تشکیل میں مرکزی کردار رکھتا ہے۔ یہی نظام نئی نسل کے ذہنوں میں مذہب، معاشرت اور انسانیت کے بارے میں نظریات کو متعین کرتا ہے۔ تاہم، بد قسمتی سے نصابی مواد اور تعلیمی پالیسیوں میں مذہبی رواداری کا تصور ہمیشہ تسلسل کے ساتھ فروغ نہیں پاسکا۔ قیام پاکستان کے ابتدائی برسوں میں تعلیم کا مقصد علم، اخلاق، اور شہری شعور کی تربیت تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ نصاب میں مذہبی و نظریاتی رجحانات کو بعض اوقات سیاسی مقاصد کے تحت استعمال کیا گیا۔

ہم ”اور“ وہ ”کی تفریق، اور مخصوص تاریخی بیانیے شامل کیے گئے جنہوں نے سماجی تقسیم کو گہرا کیا۔ اس کے“ نصاب تعلیم میں بعض ادوار میں فرقہ وارانہ تعبیرات، برعکس، وہ تعلیمی ادارے جہاں صوفیانہ، انسانی اور اخلاقی تعلیمات پر زور دیا گیا، وہاں مذہبی برداشت اور احترام انسانیت کے جذبات زیادہ نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

نہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کو مربوط بنانے کی کوشش کی ہے، مگر اس — Single National Curriculum (SNC) تعلیمی اصلاحات کے جدید اقدامات — مثلاً میں تنوع فکر، تنقیدی سوچ، اور مختلف عقائد کے احترام جیسے پہلوؤں کو مزید وسعت دینے کی ضرورت باقی ہے۔ حقیقی مذہبی رواداری اسی وقت ممکن ہے جب تعلیم محض عقیدتی یا نظریاتی تربیت تک محدود نہ رہے بلکہ طلبہ کو فکر، مکالمہ، اور باہمی احترام کا شعور دے۔

یوں پاکستان کے تعلیمی نظام میں مذہبی برداشت کی ترویج کا انحصار اس بات پر ہے کہ نصاب اور تدریس دونوں میں انسانیت، عدل، اور مساوات کے قرآنی اصولوں کو عملی طور پر شامل کیا جائے — کیونکہ تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جو ایک متوازن، پُر امن اور روادار معاشرہ تشکیل دے سکتی ہے۔

قیام پاکستان اور رواداری کا نظریاتی پس منظر

اقبال کے تصور امت اور جناح کے مذہبی آزادی کے نظریے کی وضاحت

قیام پاکستان کے پس منظر میں مذہبی رواداری، مساوات اور انسانی آزادی کے اصول بنیادی فکری حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے تصور امت میں اسلام کو محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک اخلاقی و تہذیبی نظام حیات کے طور پر پیش کیا جو انسانوں کے مابین عدل، مساوات اور رواداری کو فروغ دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک امت مسلمہ کا اتحاد رنگ، نسل یا جغرافیہ پر نہیں بلکہ روحانی و اخلاقی اصولوں پر قائم ہے۔ ان کے افکار میں ”خودی“ کا تصور انسان کے اندرونی وقار، آزادی فکر اور ذمہ دارانہ عمل کو تقویت دیتا ہے، جو کسی بھی فرقہ وارانہ تعصب یا مذہبی جبر کی نفی کرتا ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے اسی فکری تسلسل کو سیاسی شکل دی۔ ان کے نزدیک پاکستان کی بنیاد مذہبی آزادی اور مساوی شہریت پر تھی، نہ کہ مذہبی امتیاز پر۔ 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں اپنے تاریخی خطاب میں انہوں نے فرمایا کہ ”آپ آزاد ہیں، اپنے مندروں میں جانے کے لیے، اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے، یا کسی بھی دوسری عبادت گاہ میں جانے کے لیے۔“ یہ بیان ایک ایسے کثرت پسند اور برداشت پر مبنی ریاستی وژن کی بنیاد رکھتا ہے جہاں مذہب، ریاستی معاملات سے الگ مگر سماجی اخلاقیات کا رہنما اصول ہو۔

یوں اقبال کے تصور امت اور جناح کے نظریہ آزادی مذہب نے مل کر پاکستان کی فکری اساس کو متعین کیا۔ ایک ایسا معاشرہ جو اسلام کے عالمگیر اصول عدل، مساوات اور رواداری پر قائم ہو۔ بد قسمتی سے بعد کے ادوار میں اس نظریے کو سیاسی و مذہبی تعصبات نے مسخ کیا، مگر فکری طور پر یہ نظریہ آج بھی پاکستان کے آئین، تاریخ، اور سماجی شعور میں زندہ ہے۔

سوشل میڈیا، مذہبی بیانیہ، اور فکری انتہا پسندی

ڈیجیٹل دور میں مذہبی بحث و مباحثے کی سمت اور اثرات

ڈیجیٹل دور نے انسانی مکالمے کی نوعیت ہی بدل دی ہے۔ سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز — جیسے فیس بک، یوٹیوب، ایکس (ٹوئٹر)، اور ٹک ٹاک — مذہبی بیانیہ کے پھیلاؤ کے سب سے مؤثر ذرائع بن چکے ہیں۔ جہاں ایک طرف یہ پلیٹ فارمز بین المذاہب مکالمے، فہم دین، اور فکری تنوع کو فروغ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہیں دوسری جانب غلط تعبیرات، نفرت انگیز تقاریر، اور انتہا پسند بیانات نے ان کے مثبت کردار کو کمزور کیا ہے۔

سوشل میڈیا کی سب سے بڑی خصوصیت — یعنی ہر فرد کو اپنی رائے عام کرنے کی آزادی — مذہبی بیانیہ کو جمہوری تو بنادیا، مگر اس کے ساتھ علمی درجہ بندی اور فکری تربیت کا نظام تقریباً غائب ہو گیا۔ نتیجتاً، غیر مستند علماء یا مذہبی اثرورسوخ رکھنے والے انفلوئنسرز نے ایسے بیانیے تشکیل دیے جو جذباتی زیادہ اور علمی کم ہیں۔ ان بیانیوں نے نہ صرف فرقہ واریت کو ہوا دی بلکہ معاشرتی قطبیت کو بھی گہرا کیا۔

پاکستان جیسے مذہبی و ثقافتی تنوع رکھنے والے معاشرے میں یہ صورتحال خاص طور پر حساس ہے۔ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر مذہبی بحث اکثر تحقیقی مکالمے کے بجائے مناظرانہ رویوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود، اگر سوشل میڈیا کو صحیح سمت میں استعمال کیا جائے — یعنی علمی گفتگو، اخلاقی تربیت، اور برداشت کے فروغ کے لیے — تو یہ ایک طاقتور ذریعہ بن سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات کی عالمگیر روح کو جدید ذرائع سے عام کرے۔

تشکیل دیں جو آزادی اظہار کو برقرار رکھتے (Digital Ethics) یہ ضروری ہے کہ ریاستی ادارے، تعلیمی مراکز، اور مذہبی اسکالرز مل کر ایک ایسی ڈیجیٹل اخلاقیات ہوئے فکری انتہا پسندی کے پھیلاؤ کو روکے۔ یوں سوشل میڈیا، اگر ذمہ داری کے ساتھ استعمال ہو، تو مذہبی رواداری اور فکری توازن کے فروغ میں ایک مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے۔

فرقہ واریت اور اس کے سماجی و سیاسی اسباب

معاشرتی پولرائزیشن اور سیاسی گروہی مفادات کا کردار

پاکستانی معاشرہ اپنی مذہبی تنوع کے باوجود ہمیشہ سے فرقہ واریت کے مسئلے سے دوچار رہا ہے، جس نے قومی یکجہتی اور فکری ہم آہنگی کو شدید نقصان پہنچایا۔ فرقہ واریت کی جڑیں صرف مذہبی تعبیرات کے اختلاف میں نہیں بلکہ سیاسی، معاشرتی، اور معاشی محرکات میں بھی پیوست ہیں۔ مذہبی گروہوں کے مابین فکری اختلافات صدیوں سے کے (Instrument of Power) موجود تھے، مگر ان اختلافات نے شدت اس وقت اختیار کی جب ریاستی و سیاسی قوتوں نے مذہب کو طاقت کے حصول کے آلے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔

ء کے بعد کے سیاسی حالات، افغان جنگ، اور عالمی طاقتوں کی مسلکی سیاست نے پاکستان میں فرقہ وارانہ تقسیم کو مزید گہرا کیا۔ مختلف مذہبی تنظیموں کو بیرونی مالی و 1970 نظریاتی مدد حاصل ہوئی جس سے مذہب ایک سیاسی شناخت بن گیا۔ اس کے نتیجے میں عوامی سطح پر معاشرتی پولرائزیشن پیدا ہوئی — لوگ مذہب کے بجائے اپنے ملک، جماعت یا گروہ سے وابستگی کو ترجیح دینے لگے۔

میڈیا، تعلیمی نظام، اور بعض اوقات ریاستی پالیسیوں نے بھی غیر ارادی طور پر اس تقسیم کو مضبوط کیا۔ مذہب کے سیاسی استعمال نے برداشت، مکالمے اور فکری تنوع جیسے اسلامی اصولوں کو کمزور کیا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان میں اب بھی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو وحدت امت، باہمی احترام، اور صوفیانہ رواداری کو اپنی شناخت سمجھتی ہے۔

فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے محض قانون سازی کافی نہیں؛ اس کے لیے ایک فکری و اخلاقی تحریک کی ضرورت ہے جو مذہب کو طاقت کے بجائے اخلاقیات اور انسانیت کے رشتے کے طور پر پیش کرے۔ جب تک مذہب کو سیاسی مفاد سے الگ کر کے روحانی اور سماجی ہم آہنگی کے تناظر میں نہیں دیکھا جائے گا، فرقہ واریت کا مسئلہ صرف شکل بدلتا رہے گا، ختم نہیں ہوگا۔

بین المذاہب مکالمہ: امکانات اور رکاوٹیں

بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لیے حکومتی و سماجی اقدامات

بین المذاہب مکالمہ جدید دنیا میں امن، رواداری، اور بقائے باہمی کے فروغ کا مؤثر ذریعہ ہے، اور پاکستان جیسے مذہبی طور پر متنوع معاشرے میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ہی بنیادیں قوم نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے لیے برابری، تحفظ اور آزادی کی ضمانت دی۔ آج بھی آئین پاکستان کی دفعات 20 اور 36 مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بناتی ہیں۔

گزشتہ دو دہائیوں میں حکومت پاکستان اور مختلف سماجی تنظیموں نے بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ مثال کے طور پر کے تحت مختلف مذہبی کے قیام "Ministry for" کمیونٹیز کے درمیان مکالمہ، مذہبی تہواروں کی مشترکہ تقریبات، اور نصابی سطح پر امن و برداشت کے موضوعات شامل کیے گئے۔ اسی طرح، نے ادارہ جاتی سطح پر مذہبی مکالمے کے فروغ کو ممکن بنایا۔

سول سوسائٹی، میڈیا، اور تعلیمی اداروں کا کردار بھی قابل ذکر ہے۔ مختلف این جی اوز اور بین الاقوامی ادارے مذہبی رواداری کے پروگراموں کے ذریعے نوجوان نسل میں تنقیدی سوچ، مکالمے کی ثقافت، اور فکری برداشت کو فروغ دے رہے ہیں۔ تاہم، ان کوششوں کے باوجود چند بنیادی رکاوٹیں اب بھی موجود ہیں۔ جیسے مذہب کا سیاسی استعمال، انتہا پسند گروہوں کی سرگرمیاں، اور سماجی سطح پر عدم اعتماد۔

بین المذاہب مکالمے کی کامیابی کا انحصار صرف حکومتی پالیسی پر نہیں بلکہ افراد، علماء، اور تعلیمی اداروں کی فکری و اخلاقی ذمہ داری پر بھی ہے۔ اگر یہ کوششیں سنجیدگی، تسلسل، اور فکری دیانت کے ساتھ جاری رہیں تو پاکستان ایک ایسا معاشرہ بن سکتا ہے جہاں مذہب انسانوں کو تقسیم نہیں بلکہ جوڑنے کا ذریعہ بنے۔

عالمی تناظر میں مذہبی رواداری کی تحریکیں

اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں کے کردار کا تجزیہ

نے (United Nations) عالمی سطح پر مذہبی رواداری کے فروغ کی کوششیں بیسویں صدی کے وسط سے ایک منظم تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ اقوام متحدہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے

میں مذہب اور عقیدہ کی آزادی کو بنیادی انسانی حق قرار دیا۔ اس اعلامیے کی دفعہ 18 کے مطابق، (Universal Declaration of Human Rights, 1948) “ہر شخص کو اپنے مذہب یا عقیدے کو اختیار کرنے، تبدیل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے۔” یہ اصول مذہبی ہم آہنگی کی عالمی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

مذہبی United Nations Alliance of Civilizations (UNAOC) اور UNESCO، UNHRC اس کے بعد اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے جیسے UNESCO Declaration on the Principles of Tolerance (1995) کے فروغ میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

مذہبی اور فکری تنوع کو انسانیت کی میراث قرار دیتی ہے اور رکن ممالک کو اس کی ترویج کے لیے تعلیمی و سماجی اقدامات کی ترغیب دیتی ہے۔ (Tolerance (1995)

Religions اور World Council of Churches، KAICIID Dialogue Centre (Austria) دیگر عالمی ادارے اور بین المذاہب تنظیمیں جیسے مختلف مذاہب کے رہنماؤں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے انتہا پسندی کے خاتمے، انسانی احترام، اور پر امن بقائے باہمی کے لیے — for Peace (New York) مشترکہ بیانیہ تشکیل دے رہی ہیں۔

پاکستان نے بھی اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر مذہبی رواداری اور اسلاموفوبیا کے خاتمے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ 2022ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔ جو بین المذاہب احترام کی "International Day to Combat Islamophobia" مارچ کو 15 پاکستان کی قرارداد کے تحت عالمی کوششوں میں ایک سنگ میل ہے۔

تاہم، ان عالمی تحریکوں کے باوجود، حقیقی مذہبی رواداری اُس وقت ممکن ہے جب یہ اصول صرف بین الاقوامی بیانات تک محدود نہ رہیں بلکہ ریاستی پالیسی، تعلیمی نظام، اور عوامی شعور میں عملاً شامل ہوں۔ عالمی اداروں کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ وہ نظری سطح سے آگے بڑھ کر ایک عملی اور پائیدار مکالمہ قائم کریں جو مذہب کو انسانیت کے رشتے سے جوڑتا ہے، نہ کہ اسے سیاسی یا تہذیبی ٹکراؤ کا ذریعہ بنائے۔

خلاصہ

یہ مقالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مذہبی رواداری محض سماجی ضرورت نہیں بلکہ پاکستانی معاشرت کی فکری بنیاد ہے۔ اسلام کے سنہری اصول، صوفیانہ روایتوں کی کشادہ دلی، اور بنیاد پاکستان کے نظریات اس معاشرتی ہم آہنگی کے ستون ہیں۔ اگرچہ موجودہ دور میں مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ واریت نے معاشرتی توازن کو متاثر کیا ہے، لیکن فکری و اخلاقی تربیت اور مکالمے کے فروغ سے ایک بار پھر رواداری کے ماحول کو زندہ کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے لیے مذہبی برداشت نہ صرف امن و استحکام کی ضمانت ہے بلکہ ترقی اور عالمی شناخت کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

حوالہ جات

- رحمان، فضل (1982ء)۔ اسلام اور جدیدیت: فکری روایت کی تشکیل نو۔ یونیورسٹی آف شکاگو پریس۔
- ایسپوزیتو، جان ایل۔ (1998ء)۔ اسلام اور سیاست۔ سیر اکیڈمی یونیورسٹی پریس۔
- نصر، سید حسین۔ (1987ء)۔ اسلامی زندگی اور فکر۔ اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس۔
- قریشی، احسان الحق۔ (1966ء)۔ برصغیر میں مسلم برادری۔ یونیورسٹی آف کراچی پریس۔
- اقبال، محمد۔ (1930ء)۔ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- میڈکالف، باربرا ڈی۔ (1982ء)۔ برطانوی ہند میں اسلامی احیاء: دیوبند 1860-1900۔ پرنسٹن یونیورسٹی پریس۔

- لیلی ویلڈ، ڈیوڈ۔ (1978ء)۔ علمی گزشتہ کی پہلی نسل۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- احمد، عزیز۔ (1962ء)۔ ہندوستانی ماحول میں اسلامی ثقافت کا مطالعہ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- گلبر، ارنسٹ۔ (1981ء)۔ مسلم معاشرہ۔ کیمرچ یونیورسٹی پریس۔
- سمتھ، ولیم کینٹ۔ (1943ء)۔ ہندوستان میں جدید اسلام۔ لاہور: منیر وہ بک ہاؤس۔
- علی، سید سرفراز۔ (2005ء)۔ پاکستان میں مذہب اور سیاست۔ ویگن ڈبکس، لاہور۔
- خان، محمد اسلم۔ (2001ء)۔ اسلامی تہذیب: بنیادی عقائد و اصول۔ اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد۔